وجہ فرق و امتیاز ہوتی ہے۔ یہ فرق معمولی بھی ہو سکتا ہے اور اہم بھی۔ اس سے تکرار کے وہم کا ازالہ ہو جاتا ہے اگر چہ تکرار میں دعوتی مقاصد بھی پنہاں ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ تکرار فنی حسن و جمال کی حامل بھی ہوتی ہے۔ سلسلۂ کلام کے انتشار کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن میں سلسلۂ کلام منتشر ہے ہی نہیں۔ جہاں جہاں ترتیب ٹوٹتی نظر آتی ہے وہاں معانی اور فن کے بڑے بڑے مقاصد پوشیدہ ہیں اور قرآن میں کلام غیر تسلسل کو تسلیم کر ہی لیا جائے تو کیا ادب کے واقفکاروں سے یہ حقیقت اوجھل ہے کہ کوئی کہانی یا قصہ بیان کرتے کرتے درمیان میں کسی غیر متعلقہ کلام کو لے آنا سامع کو دو طرح سے کلام کی طرف راغب کرتا ہے۔ اول قصہ یا کہانی کے بارے میں سامع یہ سوچتا ہے کہ "پھر کیا ہوا" اور قصہ میں اس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ دوم درمیانی کلام کو غیر ضروری سمجھنے کے باوجود اس کی غرض و غایت اور معانی میں غور کرتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی بات اچھی طرح سمجھانے کے لئے اسے دوران کلام لایا جاتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا قصہ نولڈیکے نے اپنے اعتراض کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ اس کے بارے میں مختصراً مجملاً تبصرہ تو یہی ہے کہ حضرت یوسفؑ کا قصہ جب ایک دفعہ چھڑ جاتا ہے تو آخر تک جاری رہتا ہے۔ بھائیوں کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا۔ مصر میں آپ کی فروختگی اور تربیت، عزیز مصر کی بیوی کا آپ کو ورغلانے کی کوشش کرنا اور آپ کا قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا۔ بادشاہ کے دو ملازموں (قیدیوں) کے خواب کی تعبیر بیان کرنا۔ پھر بادشاہ کے خواب کی تعبیر اور قید سے رہائی پانا۔ وزارت مالیات پر فائز ہونا، بھائیوں کی آپؑ کی خدمت میں حاضری، بنیامین کی آپ سے ملاقات، بھائیوں کا بنیامین کو مصر میں چھوڑ کر والد کی خدمت میں حاضر ہونا۔ آپ کے والدین اور اہل و عیال کی مصر میں آمد اور واقعہ کا اتمام و اختتام۔ قصۂ یوسف میں یہ ساری تفصیل دو وجہ سے مقصود تھی اول اثباتِ وحی و رسالت کے لئے۔ دوم اس لئے کہ یہ تفصیلات اپنی ایک دینی اور تبلیغی حیثیت رکھتی ہیں اور واقعہ کے بیان سے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ یہ واقعہ وحی کے ذریعے معلوم ہوا۔ اس واقعہ کو قرآن نے "احسن القصص"[1] کہا۔ مگر فصیح البیان عربوں نے کبھی اس پر انگلی رکھنے کی جرأت نہ کی۔

---

[1] یوسف: ۳

اب توریت اور قرآن میں بیان کئے گئے قصّۂ یوسفؑ کے چند موازنے حاضر ہیں، تاکہ نولڈیکے کا اعتراض مکمل طور پر رفع ہو۔ (۱) توریت میں اس واقعہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ ''یوسف اپنے بھائیوں کی ناحق بدگوئی کرتے ہیں'' جبکہ قرآن نے آپؑ پر اس طرح کا کوئی الزام نہیں لگایا۔ (۲) توریت میں یوسفؑ کو عزیز رکھے جانے کی وجہ آپ کا بوڑھاپے کی اولاد ہونا ہے۔ (یعنی آخری اولاد) جبکہ آپ سے چھوٹے بنیامین تھے۔ (۳) قرآن نے اس پورے واقعہ کو تسلسل سے بیان کیا ہے۔ مگر توریت میں تسلسل قائم نہیں اور اس قصّہ کے دوران آپ کے بڑے بھائی یہودا کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس میں اپنی بیوہ بہو کے ساتھ یہودا کا زنا کرنا اور حرامی اولاد کا پیدا ہونا مذکور ہے۔ (۴) قصّۂ یوسفؑ میں زلیخا اپنی غیر ارادی فریفتگی اور یوسفؑ کے حسن کی جلوہ گری کے اظہار کے لئے عورتوں کی دعوت کرتی ہے اور وہ عورتیں آپؑ کے حسنِ لاثانی کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ کر بدحواسی ظاہر کرتی ہیں۔ قرآن نے اس واقعہ اور اس کے نتائج و عواقب کو تفصیلاً بیان کیا ہے اس کے مقابلے میں توریت میں یہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ جبکہ یہود کی کتابوں ''مدارشِ یلقوت'' اور ''مدارش ابکھیر'' میں یہ واقعہ موجود ہے۔ (۵) توریت میں حضرت یوسفؑ یہ کہہ کر کہ تعبیر خدا کے ہاتھ میں ہے ہ (جیل میں) ساقی کے خواب کی تعبیر بتاتے ہیں۔ پھر جن الفاظ میں سفارش چاہتے ہیں ہ ان سے لجاجت اور گدایانہ ابرام ٹپکتا ہے۔ قرآن میں تعبیر بتاتے وقت یہ فرماتے ہیں۔ ''ٹھہرو میں تمہارا کھانا آنے سے پہلے ہی تعبیر کہہ دوں گا۔ مجھے تو یہ علم خدا نے سکھایا ہے (توحید پرستی کی تعلیم ہے) تعبیرِ خواب کے بعد ساقی سے صرف یہ کہتے ہیں۔ اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ (اپنے صاحب سے میرا بھی ذکر کرنا[1]) دیکھو اظہارِ مدّعا اور سفارش کے حصول کا انداز کیسا خودداری پر مشتمل ہے۔ یہ چند موازنے تھے جو مشتے از خروارے کے طور پر پیش کئے گئے۔ تفصیل کے طالب توریت و قرآن کے متعلقہ حصّے یا تاریخ صحفِ سماوی ملاحظہ کریں۔

شاہ ولیؒ اللہ اور شبلیؒ نعمانی نے فصاحت و بلاغتِ قرآن کے بارے میں لکھا ہے۔ ''قرآن مجید عرب کی زبان میں اترا ہے اور مخاطب اوّل اس کے عرب ہیں۔ اس لئے ضروری

---

[1] یوسف: ۴۲

تھا کہ طرزِ بیان میں اسلوبِ عرب کی رعایت کی جائے۔ عرب قدیم کی جس قدر نثر و نظم موجود ہے۔ سب کا یہی طرز ہے کہ مضامین کو یکجا بیان نہیں کرتے بلکہ ایک بات کہتے ہیں، ابھی وہ ختم نہیں ہوئی کہ دوسرا ذکر چھڑ جاتا ہے۔ پہلی بات شروع ہوتی ہے پھر دوسرا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کا بڑا مقصود یہ ہے کہ توجّہ الی اللہ اور اخلاص و عبادت کے مضامین اس قدر بار بار کہے جائیں کہ مخاطب پر ایک حالت طاری ہو جائے۔ اس قسم کی تکرار ترتیب کی صورت میں ممکن نہ تھی"۔ (دیکھئے الفوز الکبیر از شاہ ولی اللہؒ و علم الکلام از شبلیؒ نعمانی)

(ج) نولڈیکے کہتا ہے کہ "قرآن مجید کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اس میں غیر عرب زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نولڈیکے نے علم السنہ کے اصول سے بالکل چشم پوشی کی ہے۔ اس دور کے مکہ کی صورت حال یہ تھی کہ مکہ اس زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا۔ اور کعبہ کی زیارت کو لوگ دور دور سے آتے تھے اور قریش ممالکِ غیر میں تجارت کرنے جاتے تھے۔ اس لئے ان کی زبان بھی الفاظ کا لین دین کیا کرتی تھی اور غیر زبانوں کے الفاظ معرّب ہو کر بے تکلف استعمال ہوتے تھے۔ اور اس طرح جزوِ زبان ہو جاتے تھے کہ فصحاء اور شعراء ان کو بے تکلّف استعمال کرتے تھے۔ زندہ زبانوں کی نشوونما اور ترقی کا راز یہی ہے کہ وہ دوسری زبانوں کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ عبرانی اور سریانی کے بر خلاف عربی زبان اس زمانہ میں بھی زندہ زبان تھی اور اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس لئے کہ یہ قرآن کی زبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ کی شمولیت اس کے دعویٰ "عربیٌّ مبینٌ"[1] کے منافی نہیں۔ یاد رہے کہ قریش نے قرآن کی ادبی، تاریخی، مذہبی، تبلیغی، فنی اور لغوی حیثیتوں پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ وہ قرآن کو اساطیر الاولین، سحر، کذب و افتراء اور پتہ نہیں کیا کیا کہتے رہے۔

(د) نولڈیکے نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اکثر جگہ (غیر عرب زبانوں کے الفاظ) ان کے معنی میں قرآن کے اصل کے خلاف کہا ہے۔ مثلاً علّیون کے معنی عبرانی میں برتر اور اعلیٰ کے

---

[1] الشعراء : ۱۹۵

ہیں اور توریت میں خدا کا نام لیکن قرآن کی سورۃ مطفّفین میں بمعنی آسمانی کتاب کے نازل ہوا ہے۔ یہ بھی نولڈیکے کی غلط فہمی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ یوں آیا ہے۔ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا عِلِّیُّوْنَ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ[1]

علیّون 'علّیّین کی دوسری شکل ہے۔ اس کا مادہ علو ہے جس کے معنی وہی ہیں جو عبرانی میں ہیں اور جن کا نولڈیکے نے ذکر کیا ہے توریت میں اس کا استعمال یوں ہوا ہے۔ و ھو کھن لال علیّون (اور وہ خدائے تعالیٰ کا کاہن تھا) ترجمہ توریت پیدائش ۱۴/۱۸ میں العلیّون کے معنی "خدائے تعالیٰ" ہیں۔ جس کا عربی مترادف "العالی" ہے۔ دیکھو علیّون یہاں آل کی صفت ہے۔ یہود میں خدا کا اسم ذات یہوہ تھا۔ جیسے عربی میں اللہ اور عام لفظ خدا کے واسطے "ال" اور بصورت جمع "الوہیم" ہے۔ اسم صفت میں الشدائیے بمعنی قدیر و قادر استعمال ہوتا ہے۔ اور علیّون بمعنی برتر اور اعلیٰ استعمال ہوا ہے۔

قرآن میں جس طرح وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا سِجِّیْنٌ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ[2] فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں علیّون و علّیّین کو کتب مرقوم کہا ہے۔ جس کے معنی بروایت ابن عباسؓ "جنّت" بروایت کعبؓ و قتادہ "قائمہ جانب راست عرش" اور بروایت ضحاک "سدرۃ المنتہیٰ" آیا ہے۔ غرضیکہ سب میں لفظی معنی کی مناسبت کا لحاظ ہے۔ (بحوالہ تفسیر ابن جریر)

یہ نولڈیکے کے اعتراضات اور ان کی حقیقت تھی جو کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوکر سامنے آگئی ہے۔

---

[1] المطفّفین: ۱۸ تا ۲۰ [2] المطفّفین: ۸-۹

تنویر قیصر شاهد

قرآن سے اقبال کی عقیدت

اقبال کو قرآن سے بے حد لگاؤ تھا۔ انہوں نے ساری زندگی اس کے مطالعے میں بے قاعدگی نہ کی۔ کلام مجید کا انہوں نے باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کا سارا فلسفہ اور شاعری قرآنی نظریات کے گرد گھومتی ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے سچ کہا کہ اقبال کی شاعری دراصل قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ وہ بڑی محبت اور خشوع و خضوع سے کلام اللہ پڑھتے تھے۔ صبح کو قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرتے تھے کہ پتھر کا دل بھی پگھل جائے۔ غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں۔ "...... ایک مرتبہ میں لاہور گیا۔ ٹرین ایسے وقت لاہور پہنچی کہ اقبال کے مکان پر پہنچنے کے بعد صبح کی نماز کا وقت تھا۔ میں اوپر پہنچا تو ایک کمرے سے تلاوت کلام اللہ کی بلند مگر نہایت شیریں اور دردانگیز آواز میرے کانوں میں آئی میں سمجھ گیا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ میں نے فوراً جلدی جلدی وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لئے اس کمرے میں گیا۔ دیکھا کہ اقبال مصلّے پر بیٹھے قرآن حکیم پڑھ رہے ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر انہوں نے مصلّیٰ خالی کر دیا اور خود پاس کے کمرے میں چلے گئے میں نے اس مصلّے پر نماز پڑھی تو نماز میں خاص کیفیت محسوس کی اور میں نے اپنے دل میں اس وقت یہ کہا کہ یہ کیفیت وہ شخص یہاں چھوڑ گیا ہے جو ابھی ابھی یہاں بیٹھا کلام اللہ پڑھ رہا تھا۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ اقبال صبح کی نماز بہت سویرے پڑھ کر تلاوت کیا کرتے ہیں مگر نمونہ اس روز دیکھا......"

ان کی مشہور عالم مثنوی "اسرارِ خودی" اقبال کے قرآن مجید کے گہرے مطالعہ کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ غلام بھیک نیرنگ کو مثنوی کی اشاعت سے پہلے ایک خط میں لکھا:

"میں نے اس مرتبہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ خیالات قائم کئے ہیں"۔

مرزا جلال الدین رقم طراز ہیں۔

"مطالبِ قرآنی پر اقبال کی نظر ہمیشہ رہتی ہے۔ کلام پاک کو پڑھتے تو ایک ایک لفظ پر